بھارتی مسلمانوں کا ایک اور امتحان

افتخار گیلانی

حال ہی میں جب، بھارت کے شمال مشرقی صوبہ آسام میں غیر ملکیوں کو ملک بدر کرنے سے قبل ان کی شناخت کا مرحلہ سات سال بعد اختتام پذیر ہوگیا، تو اس کے نتائج حکمران بھارتیہ جنتا پارٹی، یعنی بی جے پی کے لیے سانپ کے منہ میں چھچھوندر والا معاملہ بن گیا تھا۔ سپریم کورٹ کی مانیٹرنگ میں سات سال کی عرق ریزی کے بعد صوبہ آسام کی ۳ کروڑ ۳۰ لاکھ آبادی میں ایک تو محض ۱۹ لاکھ ۶ ہزار افراد ہی ایسے پائے گئے، جو شہریت ثابت نہیں کر سکے۔ دوسرا بتایا گیا کہ ان میں سے بھی ۱۱ لاکھ افراد ہندو اور صرف ۸ لاکھ ہی مسلمان ہیں۔ اس خفت کو مٹانے کے لیے وزیراعظم نریندر مودی نے حال ہی میں پارلیمنٹ سے متنازعہ شہریت ترمیمی ایکٹ (CAA) پاس کروایا، جس کے مطابق ۱۳ دسمبر ۲۰۱۴ء تک افغانستان، بنگلہ دیش اور پاکستان سے بھارت آئے غیر مسلم پناہ گزینوں ہندو، سکھ، بودھ، جین، پارسی اور عیسائی افراد کو بھارتی شہریت دلانے کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کا فوری اثر آسام میں یہ ہوگا کہ صوبے میں نیشنل رجسٹریشن آف سٹی زنز (NRC) کی زد میں جو گیارہ لاکھ غیر مسلم افراد آئے تھے، وہ اب خود بخود شہریت کے حق دار ہو گئے۔ صرف مسلمانوں کو ہی اب ٹریبونل اور عدالتوں کے چکر کاٹ کر اپیل دائر کر کے شہریت ثابت کرنی ہوگی۔ بصورتِ دیگر ان کو بے ریاست شہری قرار دے کر، ان کو شہری حقوق، یعنی ووٹ ڈالنے، سرکاری نوکریوں وغیرہ سے محروم کر کے، ملک سے باہر دھکیلنے کا عمل شروع کیا جائے گا۔

اگر یہ موجودہ قانون واقعی پڑوسی ممالک کی اقلیتوں کو تحفظ دینے کے ارادے سے وضع کیا گیا ہوتا، تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں تھا۔ مگر ایک ملک جو پچھلے ۷۰ برسوں سے 'مہاجرین کے

بارے پالیسی' نہیں بنا سکا ہے، وہ اچانک مہاجرین یا تارکینِ وطن اور پڑوسی ممالک کی ہراساں اقلیتوں کا محافظ کیسے بن گیا؟ جنوبی ایشیا میں اگر ہندو کہیں قابلِ رحم حالت میں ہیں، تو وہ سری لنکا میں ہندو تامل اقلیت ہے۔ آخر ان کو اس قانون کے دائرے سے باہر کیوں رکھا گیا ہے؟ ان سبھی سوالوں کا جواب یہی ہے کہ یہ قانون، پورے ملک میں این آر سی لاگو کرنے کی سمت میں پہلا قدم ہے، جس کے مضمرات مسلمانوں کے لیے تشویش ناک ہیں۔ پورے ملک میں این آر سی کا نفاذ ۲۰۲۴ء تک مکمل کرلیا جائے گا۔ اس کی رُو سے ملک کے ہر شہری کو اپنی بھارتی شہریت ثابت کرنی ہوگی۔ اب اگر کوئی غیر مسلم دستاویزات کی عدم موجودگی کے باعث شہریت ثابت نہیں کر پاتا ہے، تو حالیہ قانون کی رُو سے وہ خود بخود شہریت کا حق دار ہوگا۔ لیکن اگر اس کی زد میں مسلمان آجاتا ہے تو وہ بے وطن شہری قرار دیا جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں ۱۸ کروڑ مسلم آبادی کی ایک کثیر تعداد کی شہریت پر سوالیہ نشان کھڑا ہوجائے گا۔ ایوان زیریں، یعنی لوک سبھا میں یہ قانون آدھی رات کے وقت پاس ہوگیا۔

شہریت ثابت کرنے کے لیے پاسپورٹ، ووٹر کارڈ یا قومی شناختی کارڈ کی کوئی وقعت نہیں ہے، بلکہ دادا یا نانا کی جایداد کے کاغذات جمع کرانے ہوں گے اور پھر ان سے رشتہ ثابت کرنا ہوگا۔ جس گاؤں، دیہات یا محلے میں آبا و اجداد رہتے تھے، وہاں سے کاغذات لانے ہوں گے۔ اگر ان دستاویزات میں اسپلنگ وغیرہ مختلف ہوں، تو بے وطن شہری کہلوانے کے لیے تیار رہیں۔ آسام میں تو ایسے افراد حراستی کیمپوں میں ہیں، جن کے نام میں محمد کی اسپلنگ انگریزی میں کہیں 'ایم یو' تو کہیں 'ایم او' ہے۔ بس اسی فرق کی وجہ سے ان کی شہریت مشکوک قرار دی گئی ہے۔ خواتین کے معاملے میں شہریت کے ثبوت کے طور پر گاؤں پنچایت کے سرٹیفکیٹ کو تسلیم نہ کیے جانے کا فیصلہ بی جے پی کے اقتدار میں آنے کے بعد ہوا۔ یاد رہے کہ تناسب کے اعتبار سے بھارت میں جموں و کشمیر کے بعد مسلمانوں کی سب سے بڑی آبادی آسام میں ہے۔ ۹/اضلاع میں تو ان کی واضح اکثریت ہے، جو فرقہ پرستوں کی آنکھوں میں کھٹکتی آرہی ہے۔

حکمران بی جے پی ایک طرح سے بھارت کی مسلم اقلیت سے انتقام لے رہی ہے۔ بھارت کی ۵۴۳ لوک سبھا کی سیٹوں میں سے ۱۲۵ کے قریب ایسی سیٹیں ہیں، جہاں مسلمان ۱۵ فی صد

یا اس سے زیادہ ہیں۔ پارلیمانی طریقۂ جمہوریت اور امیدواروں کی کثرت کی وجہ سے، ان سیٹوں پر مسلم ووٹ انتخابی نتائج پر اثر انداز ہوتا تھا۔ ہندو قوم پرستوں کو شکایت ہے کہ ۲۰۱۴ء سے قبل ان کو اقتدار سے باہر رکھنے میں مسلم ووٹ نے براہ راست کردار ادا کیا ہے۔ ۲۰۱۴ء اور ۲۰۱۹ء میں بی جے پی نے ہندو ووٹروں کو خاصے سبز باغ دکھا کر یک جا تو کیا، مگر اقتصادی مندی اور دیگر عوامل ووٹروں کی خاصی تعداد کو ان سے بدظن کرنے والے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ایک بار پھر مسلم ووٹروں کے ساتھ مل کر بی جے پی کو اقتدار سے بے دخل کروا کے اس کو تاریخ کے کوڑے دان میں پھینک دیا جائے، ضروری سمجھا گیا ہے کہ ان کی کثیر تعداد کو شہریت ثابت کروانے کے نام پر حق رائے دہی سے محروم کرایا جائے۔

جب آسام میں بی جے پی کے دعوؤں کے برعکس محض ۱۹ لاکھ افراد ہی شہریت ثابت نہیں کر پائے، تو بی جے پی کے لیڈروں نے بتایا کہ ''بنگلہ دیشی دراندازوں کی شناخت کے لیے پورے ملک میں غیر ملکی دراندازوں کی شناخت کا کام شروع ہونا چاہیے''۔ اپنی دوسری مدت میں ایک سال سے بھی کم وقفے میں جموں وکشمیر کی خصوصی آئینی حیثیت کی منسوخی، بابری مسجد کی جگہ رام مندر کی تعمیر کا راستہ صاف کرنا، اور اب پورے بھارت میں این آر سی لاگو کر کے مودی نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کے جو بھی انتخابی نعرے تھے وہ محض نمایشی دعوے نہیں تھے۔ وہ ایک ایک کر کے ان کو رُوبہ عمل لا رہے ہیں۔ پاکستان کو سبق سکھانا اور آزاد کشمیر کے دارالحکومت مظفر آباد پر بھارتی ترنگا لہرانا بھی ان کا ایک انتخابی نعرہ ہے۔

اس قانون کو پارلیمان کے دونوں ایوانوں میں پیش کرتے وقت وزیر داخلہ امیت شا نے خاصی دروغ گوئی سے کام لیا اور اپنی تقریر کے دوران یہ تک کہا کہ ''آپ چاہتے ہیں کہ بھارت کو مسلم پناہ گزینوں کا مرکز بنا دیا جائے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہاں ہندوؤں کی آبادی گھٹ رہی ہے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ آبادی کے عدم توازن کو دور کرنے کے لیے پڑوسی ملکوں سے ہندوؤں کو یہاں لاکر بسایا جائے گا''۔ اس کے علاوہ انھوں نے پڑوسی ممالک میں اقلیتوں کے خلاف ہوئے 'مظالم' کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا: ''پاکستان میں ۱۹۴۷ء میں اقلیتوں کی آبادی ۲۳ فی صد تھی، جو ۲۰۱۱ء میں گھٹ کر ۳ء۷ فی صد رہ گئی ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش میں ۱۹۴۷ء میں

اقلیتوں کی آبادی ۲۲ فی صد تھی، جو ۲۰۱۱ء میں کم ہوکر ۸ء۷ فی صد رہ گئی ہے۔ کہاں گئے یہ لوگ؟ یا تو ان کو مار دیا گیا ہے، یا ان لوگوں کا زبردستی مذہب تبدیل کرایا گیا ہے، یا بھارت بھگا دیے گئے ہیں''۔

مردم شماری کے اعداد و شمار ہی ان کے جھوٹ کا پول کھول دیتے ہیں۔ ۱۹۵۱ء میں جب پہلی بار متحدہ پاکستان میں مردم شماری ہوئی تو غیر مسلم آبادکا تناسب ۲۰ء۱۴ فی صد تھا۔ مغربی پاکستان میں اقلیتی آبادی کا تناسب ۴۴ء۳ فی صد، جب کہ مشرقی پاکستان حال بنگلہ دیش میں ۲۰ء۲۳ فی صد اقلیتیں آباد تھیں۔ پاکستان میں ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق غیر مسلم آبادی ۲۵ء۳ فی صد ریکارڈ کی گئی۔ اسی طرح ۱۹۸۱ء میں ۳۰ء۳ فی صد اور پھر ۱۹۹۸ء میں اقلیتی آبادی ۷۰ء۳ فی صد پائی گئی۔ پاکستان میں ۲۰۱۷ء میں ہوئی مردم شماری کے نتائج ابھی شائع نہیں کیے گئے ہیں۔ ان اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں اقلیتی آبادی کا تناسب کم و بیش وہی ہے، جو ۱۹۴۷ء میں تھا۔ ایک طرح سے ۴۴ء۳ فی صد سے بڑھ کر ۷۰ء۳ فی صد ہو گیا ہے۔

بنگلہ دیش میں اقلیتی آبادی میں بتدریج کمی آ گئی ہے۔ ۱۹۷۴ء کی مردم شماری کے مطابق غیر مسلم آبادی کی شرح ۶۰ء۱۴ فی صد تھی، جو ۱۹۸۱ء میں ۷۰ء۱۱ فی صد، ۲۰۰۱ء میں ۴۰ء۱۰ فی صد اور پھر ۲۰۱۱ء میں ۶ء۹ فی صد ریکارڈ کی گئی۔ مراد یہ ہے کہ مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) میں ۱۹۵۱ء اور ۲۰۱۱ء کے درمیان غیر مسلم اقلیتی آبادی ۲۰ء۲۳ فی صد سے گھٹ کر ۶ء۹ فی صد رہ گئی ہے۔ بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کے بعد لسانی اقلیتوں کے ساتھ تشدد کے جو واقعات پیش آئے، اس کی وجہ سے چٹاگانگ پہاڑی علاقوں کے چکمہ اور ہزونگ قبائلی مسکین بھارت میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ معاشی بدحالی کے شکار اور روزگار کی تلاش میں بھی دونوں ہندو اور مسلمان بنگالی، بھارت منتقل ہو گئے ہیں۔ مگر یہ دعویٰ کرنا کہ بھارت اور پاکستان میں خوف و ہراس کی وجہ سے غیر مسلم آبادی کا تناسب تبدیل ہوا ہے، حقیقت سے دُور ہے۔ ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان کے وقفے کے دوران خود بھارتی حکومت کے عالمی دعووں کے مطابق تقریباً ''ایک کروڑ مشرقی پاکستانی بنگالی، افراد ہجرت کر کے بھارت کی شمال مشرقی ریاستوں میں بس گئے تھے''۔ پاکستان کو سفارتی سطح پر زچ کرنے کے لیے سرحدیں کھول دی گئیں تھیں اور اس طرح کی ہجرت کی حوصلہ افزائی خود بھارت ہی کر رہا تھا اور اس عنوان سے دنیا بھر سے ڈالر بٹور رہا تھا۔

بابری مسجد پر سپریم کورٹ کے فیصلے اور پھر نظرثانی کی درخواست کو چند منٹ میں خارج کر دینے، اور اب بڑی تیزی سے اس شہری قانون کی منظوری نے بھارتی مسلمانوں کو خوف اور تذبذب میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کے لیڈران جس سیکولرزم کا دم بھر کر اور اپنے آپ کو محب وطن ثابت کروانے کے لیے، پڑوسی ممالک کو تنقید کا نشانہ بناتے تھے، ان کو معلوم ہے کہ اس سیکولرزم کا بھرم ٹوٹ چکا ہے۔ اس اضطراب کی کیفیت میں لازم ہے کہ مسلمان ان چہروں کو یاد رکھیں، جنھوں نے پارلیمنٹ میں اور پارلیمنٹ سے باہر اس قانون کی حمایت کی تھی۔

جمعیت علماے ہند کے سربراہ مولانا محمود مدنی صاحب کو بھی یاد رکھیں، جنھوں نے اس قانون کی کھلے عام حمایت کی تھی۔ اس دوران علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور دیگر اداروں میں مسلم طلبہ اور نوجوانوں نے جس طرح اس قانون کے خلاف ردعمل دکھایا اور قربانیاں دیں اور پورے ہند کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد جمعیت علماے ہند کے رہنماؤں: چچا ارشد مدنی صاحب اور بھتیجے محمود مدنی صاحب نے پلٹا کھایا اور مظاہروں کے چند ہی روز بعد نئی دہلی کے جنتر منتر پر مولانا محمود مدنی صاحب نے خطاب میں کہا: ''یہ قانون ملک کے دستور کو پامال کرنے والا ہے۔ ہم اس کو مسلمانوں کے خلاف نہیں بلکہ ملک کے خلاف سمجھتے ہیں۔ میں نوجوانوں سے امن وامان قائم رکھنے کی اپیل کرتا ہوں''۔ اہلِ نظر اسے ایک غچہ ہی سمجھتے ہیں۔ واضح رہے کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں یہ متنازعہ بل پیش کیے جانے سے قبل محمود مدنی صاحب نے اس بل کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا تھا: ''اگر بھارت سرکار، پاکستان اور دیگر ملکوں کی اقلیتوں کو شہریت دینا چاہتی ہے تو یہ غلط نہیں ہے، تاہم مسلمانوں کو یہاں شہریت دینے جانے کے ہم خلاف ہیں اور سرکار کا یہ قانون غلط نہیں ہے''۔ بھارت کے مسلمانوں کو اپنی بقا اور اپنی عزت نفس کی بحالی کے لیے ان حضرات گرامی کے بیانات اور حکمت عملی کے جادو سے نکلنا ہوگا۔ یہ کب اور کس وقت ان کو بیچ منجدھار چھوڑ کر مفادات کے پلڑے کی طرف جھک جائیں، کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ہندو قوم پرست حکمران بی جے پی نے شہریت ترمیمی قانون کا گڑھا تو مسلمانوں کے لیے ہی کھودا تھا، مگر اس کے خلاف سب سے زیادہ ردعمل شمال مشرقی ریاستوں خصوصاً آسام میں دیکھنے کو ملا۔ ۱۹۸۵ء میں اس وقت کے وزیراعظم راجیو گاندھی اور آسام کے لیڈروں کے درمیان

معاہدے میں طے پایا تھا: ''مارچ ۱۹۷۱ء سے قبل آئے غیر ملکیوں کو بھارتی شہریت تفویض کی جائے گی اور اس کے بعد آنے والوں کو شہریت کی فہرست سے خارج کیا جائے گا''۔ مگر موجودہ قانون کے مطابق غیر مسلم پناہ گزینوں کے لیے اس کا دائرہ اب ۲۰۱۴ء تک بڑھا دیا گیا ہے۔ مغربی بنگال، کیرالہ اور پنجاب جیسی ریاستوں نے اپنے یہاں اس قانون کو نافذ نہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ یہ قانون بظاہر آسام کے قدیم باشندوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے بنایا گیا تھا، مگر اسی ریاست میں اس کی سب سے زیادہ مخالفت ہوئی ہے۔ صوبے کا نظام پوری طرح درہم برہم ہو گیا ہے۔ نقل و حمل کے تمام ذرائع ٹھپ ہو گئے۔ راشٹریہ سیوک سیویم سنگھ، یعنی آر ایس ایس اور بی جے پی کے لیڈر، جنھوں نے آسام میں غیر ملکی دراندازوں کا مسئلہ اٹھا کر این آر سی کو نافذ کرایا تھا، ان کی جان پر بن آئی ہے۔ بھارت کے مختلف صوبوں کے باشندوں کو اپنی زبان، تہذیب، ثقافت اور علاقائی شناخت سب سے زیادہ عزیز ہے اور وہ اس معاملے میں مذہب کو بھی ثانوی حیثیت دیتے ہیں۔

حکمراں بی جے پی کا خیال تھا کہ وہ ملک کے عوام کو 'ہندوتوا' کی ڈور میں پرو کر ان تمام اختلافات اور تضادات کو ختم کر دے گی، لیکن اس کا خیال بالکل غلط ثابت ہوا ہے کیونکہ شمال مشرقی ریاستوں آسام، تری پورہ، منی پور، میگھالیہ، میزورم اور ارونا چل پردیش کے باشندوں نے اس قانون کے خلاف طوفان کھڑا کر دیا ہے۔ ان صوبوں کے اصلی باشندوں کو یہ خوف ستا رہا ہے کہ شہریت کے ترمیمی قانون کا فائدہ اٹھا کر بنگلہ دیش کے بنگالی ہندو ان کے علاقوں میں بُری طرح چھا جائیں گے۔ یہ لوگ لاکھوں کی تعداد میں یہاں آ چکے ہیں اور ان کی آمد کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ احتجاجی تحریک کے دوران آسام کے وزیراعلیٰ اور ان کے کابینی رفقا اور بی جے پی لیڈروں کے گھروں پر ہی حملے نہیں ہوئے ہیں، بلکہ آر ایس ایس کے دفتروں کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے۔